OPEN ACCESS
Al-Duhaa
﴾Journal of Islamic Studies﴿
ISSN (print): 2710-0812
ISSN (online): 2710-3617
www.alduhaa.com

Al-duhaa, Vol.:3, Issue: 1, Jan -June 2022
DOI:10.51665/al-duhaa.003.01.0116, PP: 01-11

اسلام میں فلسفہ کی ابتداء واسباب کا تحقیقی جائزہ

A research review of the origins and causes of philosophy in Islam

Published:
01-06-2022
Accepted:
15-05-2022
Received:
31-12-2021

Muhammad Waqas
PhD, Scholar FUUAST
Email: ranawaqas_anm@yahoo.com
https://orcid.org/0000-0002-6757-3298

Abstract

Man naturally wants to know the facts, objects and symbols of the world for which he has used rational method. This is where the science of philosophy begins. Muslims paid special attention to this knowledge and, realizing the need of the hour, Muslim thinkers devoted their lives to philosophy and metaphysics. Now the question is that Islam is a practical religion so it does not encourage us to dwell on the causes and symbols that is why on the issue of destiny Islam has made it necessary to believe in good and bad destiny and forbade discussion, however, how did the higher minds of the Ummah get involved in this debate? Therefore, in this article, we have first mentioned the source of these sciences, then the reason for the interest of Muslims in these sciences and then we have discussed the reasons for which these sciences were promoted and published by Muslim thinkers. Therefore, we can better understand why Muslim thinkers have devoted their lives to these sciences and adapted to this important requirement of the time and from this we can plan for the future development and dissemination of these sciences.

Keywords: *Islam, philosophy, origin of philosophy, Muslim thinkers, prominent khulafa islam.*

تعارف:

فلسفہ کی تعریف مختلف لوگوں نے مختلف کی ہے۔Wittgensteinکے مطابق کسی بھی چیز کی تعریف کیلیے اسکی اصطلاح کے استعمال پر غور کرنا چاہیے کسی لفظ کا عام زندگی میں استعمال (useage) اسکے معنی متعین کرتا ہےاور اسکے مختلف

CC BY

استعمال سے اسکے معنی کی تہیں کھلتی ہیں۔[1]

لغوی اعتبار سے، philosophy، دو لفظوں سے بنا ہے، پہلا لفظ، philo، ہے۔ جسکے معنی (denoting, liking a thing) کسی چیز سے محبت، لگاؤ، عشق اور اشتیاق کے ہیں۔ دوسرا لفظ Sophia، ہے جسکے معنی (wisdom،skill) حکمت، دانائی، عقل، علم اور مہارت کے ہیں۔[2]

غرض اس لفظ کے لغوی معنی حکمت، علم اور دانائی سے محبت، حقائق اشیاء کو جاننے کا شوق اور دانشمندی سے لگاؤ کے ہیں۔[3]

جرمن فلسفی، kant، کے بعد کے فلاسفہ اس بات پر متفق ہیں کہ ہم حس اور عقل کے ذریعے علم حاصل کرتے ہیں لیکن انکے ذریعے مابعد الطبعیاتی سائل کو نہیں سمجھ سکتے، حقیقت عقل کے دائرہ کار سے باہر ہے، یہ ایمان بالغیب کی دنیا ہے، چنانچہ فرانسیسی فلسفی برگسن (Bergson) کہتا ہے کہ ہم وجدان کے ذریعے حقائق اشیاء کو جان سکتے ہیں، اس اعتبار سے فلسفہ وہ علم ہے جو ہمیں حقیقت کی تلاش میں مدد دیتا ہے۔[4]

ندوہ المصنّفین کے مطابق فلسفہ کو محض حکمت کی محبت قرار نہیں دیا جاسکتا چنانچہ فلسفہ اصطلاحی معنی کی رو سے مدلل علم ہے نہ کہ خالص بصیرت اور اسی معنی میں افلاطون وارسطو نے فلسفہ کو استعمال کیا ہے اس طرح فلسفہ عام تجربہ اور آرٹ وفن سے ممتاز ہو جاتا ہے کیونکہ عام تجربہ کسی چیز کو صرف قبول یا رد کرتا ہے اور آرٹ وفن کا کام ایجاد و تخلیق ہے[5] تاہم مدلل علم کہنا بھی پورا مفہوم اجاگر نہیں کرتا کیونکہ سائنس بھی مدلل علم ہے اگرچہ وہ جزء سے بحث کرتی ہے اور فلسفہ کل سے بحث کرتا ہے بغیر تحویل کے، نیز سائنس مشاہدات سے بحث کرتی ہے من حیث الوقوع اور فلسفہ مشاہدات سے بحث کرتا ہے من حیث الحقیقت والماہیت۔ اس لحاظ سے فلسفہ کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے: فلسفہ عقل واستدلال کے ذریعے کسی شیئ کی آخری وانتہائی حقیقت کو دریافت کرنے کی کوشش کا نام ہے اور فلسفہ، اپنی مناسب ترین شکل میں تمام موجودات کی انتہائی ماہیت کو دریافت کرنے کی کوشش کا نام ہے۔[6]

اب ہم فلسفہ کی ضرورت وآغاز کی طرف اشارہ کرتے ہیں، حکماء کے نزدیک فلسفہ شک وشبہ کی کوکھ سے جنم لیتا ہے، مذہب اور متیقن عقائد کی عدم دستیابی اسکو زندگی فراہم کرتی ہے اور اسرار عالم کو جاننے کا شوق اسکی غذاء ہے۔[7]

حکماء یونان نے اسی لیے پذیرائی حاصل کی کیونکہ اس وقت مذہب اور پختہ عقائد ناپید تھے، اور دنیا میں جہاں کہیں مذہب لوگوں کا اوڑھنا بچھونا تھا فلسفہ اور اہل فلسفہ کسمپرسی کی حالت میں رہے۔ گو مذہبی علماء کی سیاسی ومعاشرتی مسائل میں اجارہ داری اسکی ایک وجہ رہی ہے، بہر حال اسکی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جن سوالات کے جوابات فلسفہ نے تلاش کرنے کی کوشش کی وہ اہل مذہب کو وحی کی زبانی معلوم تھے، یا انکے متعلق تعرض یا عدم تعرض کے احکامات موجود تھے کیونکہ تخلیق آدم کا مقصد خدا کی معرفت وعبادت ہے نہ کہ کچھ اور، اس مقصد میں جو رکاوٹ یا اشکال ہو سکتا تھا وہ مذہب میں رفع کردیا گیا تھا۔ تاہم اسلام میں غور وفکر اور تدبر کا حکم دیا گیا ہے جسکی قدرے تفصیل آگے ہم بیان کریں گے۔

فلسفہ کی بابت ابتدائی معلومات کے بعد ہمیں یہ سمجھنا ہوگا کہ اسلام میں کونسی اشیاء پر بحث کی گئ ہے اور کن علوم کو انسان کی قوت ادراک پر منحصر رکھا گیا ہے۔ یہ بات تو واضح ہے کہ مقاصد شریعت میں صرف الوہیت باری تعالیٰ، صداقت

نبوت اور عبادات کی تلقین اور طریقکار کی وضاحت ہے اور چونکہ اسلام دین کامل ہے اور قرآن کریم میں بیسیوں مقامات پر اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش سے لیکر حیات بعد الممات تک ہر چیز کے اور انسانی زندگی کے تمام مسائل کے ساتھ اجمالا اور کہیں مفصلا انکے احکامات ذکر کیے وہ مسائل مالیات سے متعلق ہوں، اکنامکس سے متعلق ہوں، اخلاقیات سے متعلق ہوں، عمرانیات سے متعلق ہوں، ارضیات سے متعلق ہوں، جغرافیہ سے متعلق ہوں، معاملات سے متعلق ہوں یا سیاست مدینہ سے متعلق غرض اس وقت موجود تمام علوم کو قرآن کریم میں خوب بسط کے ساتھ واضح فرمایا اور ان سے متعلقہ ضروری احکامات کو بھی ذکر فرمایا اور جہاں کہیں قرآن کریم میں اجمال تھا حدیث رسول میں اسکی وضاحت فرمادی گئی۔ اسکے علاوہ انسانی زندگی کے آغاز (تخلیق آدم علیہ السلام) کو پوری تفصیل سے ذکر فرمایا چنانچہ ارشاد باری ہے:

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً[8]

دنیوی زندگی کے اختتام کا ذکر فرمایا تو اسکے متعلق ضروری وضاحت فرمادی اور علت بھی بیان فرمائی کہ موت وحیات کی علت صرف یہ جانچنا ہے کہ انسان کس حدتک اپنے اندر نیکی اور بدی کی جنگ لڑتا ہے اور اور اپنی روحانی قوت سے کس حدتک نفس امارہ کو مغلوب کرتا ہے اس جنگ کے مبادی مذکورہ بالا آیت سے بھی سمجھ میں آتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جب تخلیق آدم علیہ السلام کا ذکر فرشتوں کے سامنے کیا تو انہوں نے دو طرح سے حجت قائم کی اور کہا آپ ایک ایسی مخلوق کو پیدا کرنے والے ہیں جو زمین میں شر اور فساد مچاے گی اور خون بہائے گی وجہ اس حجت کی یہ تھی کہ تخلیق آدم علیہ السلام سے قبل جنات کی ابادی اور انکے شر و فساد کو وہ دیکھ چکے تھے تو جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو بنایا تو وہی شر کا مادہ جو جنات کی تخلیق میں استعمال ہوا تھا کچھ آدم میں بھی استعمال ہوا تھا جس سے فرشتے سمجھے کہ یہ بھی شر وفساد ہی مچاے گا[9] لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا انی اعلم مالا تعلمون میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے یعنی شر وخیر دونوں کی موجودگی میں خیر کو اختیار کرنا سب سے عمدہ چیز ہے جو کہ فرشتوں میں نہ تھا فرشتوں میں خیر ہی خیر ہے وہ برائی کی طرف مائل ہو ہی نہیں سکتے جیساکہ انسان فطرتی طور پر ہوا میں اڑ نہیں سکتا۔ لہاذا مقصود باری تعالیٰ یہی تھا کہ ایک ایسی مخلوق ہو جو ایک مقررہ وقت تک برائی اور بھلائی کی جنگ لڑے اور پھر دیکھا جائے کہ کون کامیاب رہا اور کون نامراد کس نے خالق کو پہچان کر حقیقی راہ اختیار کی اور کون نفس اور شیطان کے بہکاوے میں آکر ازلی بد بخت ٹھہرا۔ قرآن کریم میں جابجا اسی جنگ کا ذکر ہے اور ہر جگہ انسانوں کی رہنمائی کیلیے دونوں راستے ساتھ ساتھ دکھادیے چنانچہ جہاں جنت کا ذکر کیا تو ساتھ ہی دوزخ کا بھی ذکر کیا، جہاں نیکو کاروں کا ذکر کیا وہاں کفار و مفسدین کا بھی ذکر کیا اور پھر انجام کار کا بھی ذکر فرمایا[10]۔ غرض انسانی زندگی سے متعلق تمام پیچیدگیوں کو خوب بسط و تفصیل کے ساتھ ذکر کیا اور حقائق اشیاء کی جتنی ضرورت تھی وضاحت فرمادی لیکن قرآن وحدیث میں صرف ضروری۔ مسائل کو زیر بحث لایا گیا کیونکہ وحی کے مخاطب عوام الناس کثیر ہوتے ہیں اسلیے انکی فہم اور انکی ضرورت کے مطابق عمومی گفتگو فرمائی گئی اور خواص کیلیے حقائق اشیاء سے متعلق اجمالاً ذکر فرمایا گیا کہ جسکو سمجھنا ہو سمجھ جاے اور عوام الناس اس میں نہ پڑیں۔[11]

چنانچہ روح کے متعلق جب سوال کیا گیا تو عوامی پیرائے میں اسکا جواب دیا گیا ارشاد ہے: ویسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا الخ۔ وہ آپ سے روح کے بارہ میں سوال کرتے ہیں آپ فرمادیجیے کہ روح

میرے رب کا امر ہے اور تمہیں بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے چونکہ روح کا معاملہ عوام الناس کی سمجھ سے بالاتر تھا اسلیے اسکی توضیح مکمل طور پر نہیں کی گئی البتہ خواص کیلیے اسمیں اشارات موجود ہیں

اس ساری بحث سے غرض ہماری یہ ہے کہ اسلام میں انسانی زندگی کی تمام پیچیدگیوں اور ان سے متعلقہ ضروری وضاحت اور احکامات کو بیان فرمایا گیا ہے اور جو مسائل انسانی زندگی کیلیے زیادہ اہم نہ تھے انکو اجمالا ذکر کیا گیا اور خواص کیلیے غور وخوض کے دروازے کھلے رکھے گئے اور چونکہ مقصدیت کو اہمیت دی گئی اسلیے مادہ اسکی تخلیق، مسئلہ قضاء وقدر، عالم کے حدوث وقدوم، روح کی حقیقت اور مشاہدات عالم کی تفصیل ضروری نہیں سمجھیں گئی یہی وجہ ہے کہ چاند سے متعلق سوال پر فرمایا گیا:

قُلۡ هِيَ مَوَٰقِيتُ لِلنَّاسِ وَٱلۡحَجِّۗ[12]

تاکہ انسان ضروری مسائل کا ادراک حاصل کرے اور غیر ضروری اشیاء جن میں عوام الناس کے بھٹکنے کا اندیشہ ہے اور یہ کہ انسانی دماغ اور قوت ادراک تمام میں یکساں نہیں اسلیے وہی مسائل بار بار ذکر کیے گئے جو عمومی نوعیت کے تھے۔ قرآن کریم کے اسلوب سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالٰی انسانوں کو مشکلات سے دور محض ضروری اشیاء کے علم تک محدود رکھنا چاہتے ہیں تاکہ وہ مقصد کو سمجھیں اور آخرت میں کامیاب ہو کر لوٹیں۔ البتہ مشاہدات عالم اور انمیں غور و خوض کی دعوت خود قرآن کریم میں دی گئی تاکہ خواص ان علوم سے استفادہ کریں اور اپنی قوت ادراک اور تخیل سے حقائق اشیاء تک رسائی حاصل کریں لیکن یہ سب ثانوی حیثیت سے مذکور تھا چنانچہ ابتداء میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اور بعد میں خلفائے راشدین کے ادوار میں اسی ہدایت پر عمل کیا گیا اور کہیں مادہ اور قضاء وقدر جیسے مسائل میں الجھ کر اصل مقصد تخلیق سے روگردانی نہیں کی گئی۔۔ لیکن بعد میں خلفاء بنوامیہ کے دور سے یہ روش کمزور پڑتی گئی اور اہل اسلام فلسفہ یونان اور روم وفارس کے علوم کی طرف متوجہ ہوئے۔

ہماری اس بحث سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ دیگر آسمانی مزاہب کی طرح مذہب اسلام بھی فلسفیانہ بحث و تمحیص اور عقل کی اقتداء سے منع کرتا ہے تاہم اسلام نے اللہ تعالٰی کی وحدانیت اور تعدد الہہ کی تردید میں عقلی پیرایہ سے بھی استدلال کیا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

لَوۡ كَانَ فِيهِمَآ ءَالِهَةٌ إِلَّا ٱللَّهُ لَفَسَدَتَاۚ

"اگر آسمان وزمین میں متعدد معبود ہوتے توان میں فساد برپا ہو جاتا"

اسی طرح ملائکہ کو اللہ تعالٰی کی بیٹیاں کہنے والوں کے جواب میں بھی عقلی دلیل پیش کی گئی ہے نیز اہل دانش اور فہم وادراک کے لحاظ سے کامل لوگوں کیلیے عقل اور قوت ادراک سے حقائق عالم سے بہرہ ور ہونے کے باب میں چھوٹ رکھی ہے اور مختلف جگہ حقائق عالم سے متعلق مسائل کی طرف خواص کیلیے اشارات دیے ہیں اور یہی نہیں بلکہ قرآن کریم میں کئی ایک مقامات پر تفکر اور تدبر کا لفظ استعمال کرکے امت کے عالی اذہان کو اس سمندر میں غوطہ زنی کی اجازت دی ہے۔ لیکن چونکہ مقصود شریعت انسان کو مقصد تخلیق یعنی خدا کی وحدانیت اسکا عرفان اور عبادت ہے اور اسکے بھیجے ہوے برگزیدہ بندوں کی اطاعت ہے اسلیے عقل کے عمومی استعمال کی حوصلہ شکنی کی ہے

اسلیے اسلام میں فلسفہ کی بحث اور اہل اسلام کا اس میدان کارزار میں اترنا مقصد اصلی سے ہٹنے کے مترادف تھا اور جیسا کہ ہم نے عرض کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، خلفاء راشدین، خلفاء بنوامیہ اور خلفاء بنو عباس کے ابتدائی ادوار میں اسی پر عمل کیا گیا اور مذہب کو مذہب کے طور پر عملی لحاظ سے استعمال کیا گیا البتہ جہاں منکرین توحید ورسالت سے سامنا ہوا وہاں قرآن و سنت کے علاوہ عقلی دلائل پیش کیے گیے کیونکہ جو قرآن و سنت کو تسلیم نہیں کرتا اسکے لیے ان میں بیان کردہ احکامات کی کوئی اہمیت نہ تھی، بہرحال بنوامیہ کے دور میں جب اسلامی حدود دنیا کی بیشتر ابادی تک وسیع ہوگئیں تو وہاں کے علوم کے تراجم کا کام شروع ہوا اور پھر عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور کے حکم سے حکمت یونان پر مشتمل کتب کو سرکاری سرپرستی میں ترجمہ کروایا گیا۔ اس طرح ترجمہ نگاری کو سرکاری سرپرستی حاصل ہوئی اور پھر دیگر علوم و فنون پر مشتمل کتب کے تراجم کا کام ہوا

حکمت کے بعد فلسفہ اور فارسی ادب پر مشتمل کتب کے تراجم شروع ہوے جس سے علماء اسلام کو پہلی بار فلسفہ یونان سے سامنا ہوا اور اسی نکتہ کو اسلام میں فلسفہ کا نقطہ آغاز کہہ سکتے ہیں۔ اسکے بعد فلسفہ کے پھیلاؤ اور ارتقاء کی بنیادی طور پر تین وجوہات ہیں، طبعی، سیاسی اور تکوینی۔ جنہیں ہم تفصیل سے ذکر کرتے ہیں

اسلام میں فلسفہ کے ابتدا و ارتقاء کی سب سے پہلی وجہ طبعی ہے اور وہ اس طرح کہ انسان کس قوم سے بھی تعلق رکھتا ہو طبعی طور پر وہ ترقی پسند ہے اور جب اسے کسی حالت پر اطمینان ہو جاے تو وہ دوسری حالت کی طرف متوجہ ہونا چاہتا ہے اسی طرح علوم میں جب ایک علم پر عبور حاصل کرلے تو دوسرے علم کی طرف یا اسی علم کی مزید تنقیح و اختراع کی کوشش کرتا ہے چنانچہ آدم علیہ السلام سے لیکر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک مختلف انبیاء علیہم السلام کو بھیجنے کے پیچھے ایک حکمت یہ بھی تھی کہ انسان ایک ہی شریعت پر عمل کرتے کرتے تھک جاے گا اور پھر عالی اختراعات کی طرف گامزن ہوگا جیسا کہ ہوا بھی اور مختلف بے دین لوگوں کے علاوہ یہود و نصاری جو کہ حامل مذہب ہونے کے دعوے دار تھے اس طبعی امر سے بچ نہ سکے اور آسمانی کتاب میں تحریف کردی بالکل اسی طرح اہل اسلام بھی جب پوری طرح اسلام کو سیکھ چکے اور دنیا میں اسلام اور اس کی شان و شوکت کا پرچم لہرا چکے تو وہ نئی دنیا اور اطراف کے مختلف ممالک اور اقوام کے علوم کی طرف متوجہ ہوے۔ علامہ شبلی نعمانی نے اسکی وجہ دوسری بیان کی ہے چنانچہ الکلام اور علم الکلام میں رقم طراز ہیں: عرب کا مزاج عملی تھا اور وہ زیادہ قیل و قال نہ کرتے تھے اسلیے جب تک اسلام عرب میں محدود رہا عقلی مباحث کی نوبت نہ آئی لیکن جب اسلام عجم میں پھیلا تو عجمی قوموں کے مزاج کے مطابق انہوں نے بال کی کھال اتارنے کی روش اپناتے ہوئے عقائد وغیرہ سے متعلق عقلی مباحث شروع کیں۔[13]

لیکن ہمارے نزدیک یہ بات صحیح نہیں کیونکہ اگر عرب کا مزاج محض عملی ہوتا اور وہ احکام کی علل جاننے کی بجاے ان پر عمل کرنے کی سعی کرتے تو صحابہ میں آپسی اختلافات نہ ہوتے حالانکہ بیسیوں مسائل میں اختلافات ہوے اگرچہ وہ زیادہ تر اختلاف روایات کے احتمالات پر مبنی تھے لیکن بہت سے مسائل میں عقلی اختلاف بھی موجود تھا چنانچہ خود علامہ موصوف آگے حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ابوہریرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اختلاف کا ذکر کرتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے مزاج میں قیل و قال موجود تھی اور ہر قوم میں ہر قسم کے افراد موجود ہوتے

ہیں اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں اور رہی بات کہ صحابہ و خلفاء راشدین کے دور میں نماز روزہ اور زکاۃ وغیرہ مسائل پر مشتمل مسائل کے دفاتر وجود میں آچکے تھے لیکن عقلی مباحث اور عقائد سے متعلق کوئی ایک ذخیرہ بھی موجود نہ تھا، تو اسکی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے مقصدیت سیکھی تھی اسلیے گو وہ علل واسباب کو جاننے کا شوق رکھتے تھے لیکن انکو ثانوی اور تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے غافل اور دور کرنے والا سمجھتے تھے اسلیے اس پر زیادہ غور وفکر نہ کرتے تھے لیکن جب زمانہ دور ہوتا گیا اور خیر القرون قرنی ثم الذین یلونہم ختم ہوا تو اثر صحبت جنمیں نہ تھا وہ طبعی خاصہ سے بچ نہ سکے اور اسباب وعلل کی دلدل میں گھسنے لگے (راقم)۔ اور یہیں سے فلسفہ کو جگہ ملی۔

دوسری طبعی وجہ یہ ہے کہ انسان جب دوسری لوگوں سے ملتا ہے تو انکے نظریات سے استفادہ کرتا ہے اور انکے اثرات قبول کرتا ہے اسلیے جب یونانی، قبطی، فارسی اور دیگر اقوام سے مسلمانوں کا ملنا جلنا ہوا تو انکے اثرات سے بچ نہ سکے اور مذہب وغیرہ سے متعلق جو انکا طریقہ تھا اسے قبول کیا چنانچہ جب انکی طرف سے عقائد وغیرہ کو لیکر بات چیت ہوئی تو شکوک وشبہات پیدا ہونے لگے اور ہر عقیدہ ومسئلہ کی علت معلوم کرنے کا داعیہ پیدا ہوا۔

طبعی وجوہات میں تیسری وجہ یہ ہے کہ انسان جب دیگر اقوام سے ملتا ہے تو ایک مرعوبیت اس میں نئے لوگوں کی پیدا ہو جاتی ہے یہ مرعوبیت کبھی جانبین میں عرصہ تک رہتی ہے اور کبھی ایک جانب میں۔ اور یہ مسلمہ حقیقت ہے دیہاتی لوگ شہر والوں سے اور چھوٹے شہر والے بڑے شہر والوں سے مرعوب ہوتے چلے آتے ہیں اسی طرح جغرافیائی وعمرانی لحاظ سے متمدن اقوام سے بدوی طرز معاشرت رکھنے والے مرعوب ہوتے چلے آئے ہیں اور چونکہ مسلمان بنیادی طور پر عرب تھے اور بدوی طرز معاشرت رکھتے تھے اسلیے انکا اس وقت کی متمدن اقوام سے مرعوب ہونا کوئی عجیب بات نہ تھی اور یہ ہوا، گو مسلمان غالب اور فاتح قوم کی حیثیت سے ہر جگہ پہنچے تھے لیکن مختلف مزاہب اور علاقوں کے لوگوں کے حلقہ بگوش اسلام ہونے سے فاتحین کے دل میں مفتوح اقوام کیلیے مرعوبیت پیدا ہوئی اسلیے انکے مزاج اور نظریات جو کسی چیز پر ایمان لانے اور اسپر عمل کرنے سے متعلق تھے اہل اسلام میں بھی سرایت کر گئے اور چونکہ مفتوحہ اقوام میں یونانی و قبطی فلسفہ کے دلدادہ تھے اسلیے اہل اسلام بھی اسے قبول کیے بنا نہ رہ سکے۔

چوتھی طبعی وجہ یہ ہے کہ انسان ہر وقت اپنی حالت بدلتا رہتا ہے اور یہ جستجو ہی اسے ترقی پسند بناتی ہے اور جب وہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف جاتا ہے تو سابقہ حالت کے اثرات و باقیات اس میں موجود ہوتی ہیں اور ایک عرصہ تک اس سے الگ نہیں ہوتیں ایک انتہائی مالدار شخص انتہائی غریب یا ایک بادشاہ کسی مصیبت سے غلام بن جائے تو ایک عرصہ تک ان میں نازوانداز اور تفاخر نہیں جاتا، اسی طرح جب مختلف مزاہب سے تعلق رکھنے والے اسلام میں داخل ہوئے تو ظاہری طور پر ان میں سابقہ مذاہب کے اثرات موجود رہے۔ چنانچہ یہود و نصاریٰ چونکہ مذہب کے معاملہ میں عقل، خواہش اور ذاتی رائے کو اہمیت دیتے تھے اور احکامات الٰہی میں علت اور منافع دنیوی تلاش کرتے تھے اسلام قبول کرنے کے بعد بھی اس روش کی باقیات سے بچ نہ سکے [14] اور اسلامی احکامات کی علتیں تلاش کرنے لگے اور آج بھی نماز روزہ وغیرہ کے جسمانی فوائد جو بتائے جاتے ہیں اسی سوچ کا شاخسانہ ہیں ورنہ ایک مسلمان کیلیے احکامات کی یہی علت کافی ہے کہ وہ شارع کا حکم اور

بندگی کا مقتضی ہیں۔ اسی طرح عقائد میں بھی انہوں نے خارجی اسباب پر غور کیا اور جہاں اپنے سابقہ مذہب کے قریب کوئی علت نظر آئی اسی کو حتمی سمجھ لیا اس طرح مسلمانوں میں علل کی بحث چھڑی اور عقل، منطق اور فلسفہ کی ضرورت پیش آئی۔

پانچویں طبعی وجہ یہ ہے کہ انسانی طبائع چیزوں کو پرکھنے اور نتائج اخذ کرنے میں انتہائی مختلف واقع ہوئی ہیں، چنانچہ مسئلہ تقدیر کو جب پرکھا گیا تو بعض نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ سب کچھ تقدیر میں لکھا ہوا ہے انسان کچھ بھی کرلے تقدیر اس پر ہمیشہ غالب رہتی ہے حتیٰ کہ انسان جو ارادہ کرتا ہے وہ بھی اپنے اختیار سے نہیں کرتا اسلیے انسان مجبور محض ہے جبکہ دوسرے گروہ نے یہ سمجھا کہ انسان اپنے ارادے سے لیکر عمل اور اسکے نتیجے تک ہر چیز میں خود مختار ہے کیونکہ کوئی بیرونی قوت اسکے ارادے کی تکمیل میں حائل نہیں ہوتی۔ اس کی مزید وضاحت ہم سیاسی وجوہات میں ذکر کریں گے۔ بہر حال جب ایک گروہ نے قرآن وسنت سے انسان کو مجبور محض مان لیا اور دوسرے نے مختار تو ضروری تھا کہ ہر ایک اپنے دعویٰ کے ثبوت میں صرف نقلی دلائل پر انحصار نہ کرتا چنانچہ عقلی دلائل کی طرف رجوع کیا گیا اور اس طرح فلسفہ کی ابتداء ہوئی۔

چھٹی طبعی وجہ یہ ہے کہ انسان جب خدا کا تصور کرتا ہے تو اسکے ذہن میں یہی آتا ہے کہ وہ تمام علتوں کی علت اور مکمل بااختیار ہے اور وہ جو چاہے کر سکتا ہے اسکے سامنے کسی کو پر مارنے کی اجازت نہیں اور نہ ہی کوئی اس سے اسکے افعال کی بابت سوال کر سکتا ہے، اسلیے اگر وہ کسی پر ظلم کرے تو اسے کوئی پوچھنے والا نہیں، وہ چاہے تو گناہگار کو انعام واکرام دے اور چاہے تو نیکوکار کو سزا دے نیز عدل کرنا اسکے لیے ضروری نہیں وغیرہ جبکہ اسکے مقابلہ میں دوسری طبیعت کے لوگوں نے اس بات سے انکار کیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ اپنے اصولوں کے مطابق چلتا ہے وہ کسی پر ظلم نہیں کر سکتا، عدل اس کا خاصہ ہے لہذا نیکوکاروں کو جزا اور گناہگاروں کو سزا دینا اسکے لیے ضروری ہے اگرچہ یہ جبر وقدر کا مسئلہ ہی تھا لیکن جب اسمیں عقلی مباحث شروع ہوئیں تو آہستہ آہستہ دوسرے مسائل پر بھی بحث ہونے لگی۔

ساتویں وجہ یہ ہے کہ انسان طبعی طور پر دو قسم کا ہے ایک وہ ہے کہ جب کسی محترم شخصیت سے کوئی بات سنتا ہے تو من وعن قبول کر لیتا ہے اور اسباب وعوامل کے پیچھے نہیں پڑتا جبکہ دوسری قسم کا وہ ہے کہ جب بھی کوئی بات سنتا ہے فوراً اسکی تحقیق میں لگ جاتا ہے کہ آیا یہ حقیقت سے قریب ہے یا بعید اور کن وجوہات کی بناء پر چنانچہ تاریخی روایات کو علامہ واقدی اور دوسرے حضرات نے جیسے سنا نقل کر دیا اور جب یہی تواریخ اور روایات علامہ ابن خلدون کے سامنے آئیں تو انہوں نے ان پر غور کیا اور بیسیوں تاریخی روایات کو من گھڑت قرار دیدیا، یہی اختلاف طبائع روایات کو قبول کرنے میں بہت سے مسائل میں بھی سامنے آیا اور ظاہر ہے کہ روایت کو پرکھنے کیلئے یا تو وہ سادہ طریقہ راوی کی جرح اور عدل کی صورت میں ہوگا اور یا پھر عقلی طور پر ہوگا۔

حاصل یہ کہ کئی ایک لحاظ سے انسانی طبیعت مسلمانوں کو فلسفہ کی طرف لے کر آئی اور مسلمانوں میں فلسفیانہ مباحث شروع ہوئی۔

اسکے بعد ہم آتے ہیں سیاسی وجوہات کی طرف، جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاء راشدین کا دور اور شروع کا بنو امیہ کا دور خلافت اور خالص اسلامی اصولوں پر مبنی حکومت کا دور تھا لیکن بعد میں خلافت کے ساتھ ملوکیت اور

بادشاہت کا آغاز ہوا جس کے بعد مسلمانوں میں وہ اطمینان خلیفہ یا فرمانروا سے متعلق نہ تھا جو خلافت راشدہ کے دور میں تھا اسلیے لوگوں میں مخالفت پیدا ہوئی اور اقتدار کے مزے میں ہر بادشاہ کی عادت مخالفین کو کڑی سے کڑی سزا دینے کی رہی ہے چنانچہ بنو امیہ کے اخیر دور میں جب ظلم حد سے بڑھتا گیا اور حجاج بن یوسف جیسے گورنر سر عام مخالفین کو سزائے موت دینے لگے تو بعض لوگوں نے شکایت کی، طرف داران حکومت نے کہا کہ یہ تقدیر کا مسئلہ ہے خدا کو جیسے منظور ہے وہ ہو رہا ہے اسلیے ہمیں دم نہیں مارنی چاہیے اور سر تسلیم خم رکھنا چاہیے تب مخالفین میں سے بعض نے یہ نقطہ اٹھایا کہ انسان تقدیر کے ہاتھوں اتنا بھی مجبور نہیں جتنا کہ سمجھ لیا گیا ہے اور یہ کہ ظلم و تعدی سے روکنے کی اپنی سی کوشش ہر شخص کو کرنی چاہیے اس سے امر بالمعروف اور عدل کے لزوم کا مسئلہ شروع ہوا جس نے آگے جا کر مزید مسائل کی طرف توجہ دلائی اور یوں اسلام میں فلسفہ کو رواج ملا۔

ایک دوسری سیاسی وجہ یہ بھی ہے کہ جب تمدنی اور علمی لحاظ سے ایک قوم ترقی یافتہ ہو جاتی ہے تو وہ دیگر تو وہ دیگر علوم و فنون کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور دیگر علوم میں مہارت اور انکے چرچے کو اپنے لیے فخر مباحات کی وجہ سمجھتی ہے، کبھی یہ حالت مرعوبیت کی وجہ سے بھی ہوتی ہے جیسا کہ ہم ما قبل میں ذکر کر آئے ہیں اور کبھی محض اپنی برتری مقصود ہوتی ہے۔ چنانچہ جب علوم و فنون میں اہل اسلام نے خوب ترقی کی تو وہ دوسرے علوم و فنون کی طرف متوجہ ہوئے اور رفتہ رفتہ یہ توجہ گہری دلچسپی میں اور پھر فخر و مباحات میں تبدیل ہو گئی۔ یہی وجہ ہے کہ جب مختلف کتب کے تراجم ہوئے اور تاریخ، شاہ نامے، ادب، حکمت اور فلسفہ کی کتب کے ترجمے ہوئے تو مسلمانوں نے اس میں دلچسپی لی اور پھر یہ دلچسپی برتری کی علامت قرار پائی چنانچہ بنو عباس کے دور میں یحییٰ برمکی وغیرہ وزراء اور امراء اپنے ہاں فلسفہ پر مباحثے کرواتے اور ہر شام ایک نیا فلسفہ کا مسئلہ موضوع بحث ہوتا۔ [15] اور پھر فلسفہ کی کتب رکھنا اور علمی مباحثے کرنا گویا حکومت اور امراء کی نظر میں اپنی وقعت میں اضافہ کرنا سمجھا گیا اور اس طرح بہت تیزی سے فلسفہ کا ارتقاء ہوا۔

تکوینی وجہ فلسفہ کی ابتداء و ارتقاء کی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا قانون ہے کہ جب انسانی تہذیب و تمدن ترقی کرتا ہے اور کوئی قوم ثقافت کے اعلیٰ درجے پر ہوتی ہے تو نئے علوم و فنون کی طرف متوجہ ہوتی ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس زمانے میں یورپ و امریکہ دنیا کی متمدن اقوام سمجھی جاتی ہیں اور فی الواقع ان اقوام کا تمدن اور ثقافت اس درجہ بہتر ہے کہ باوجود یکہ اہل اسلام ان سے زیادہ متمدن اور حقیقی مذہب رکھتے ہیں لیکن عملی لحاظ سے انتہائی کمزور ہونے کی وجہ سے اخلاق، معاشرتی اور معاشی لحاظ سے ان اقوام سے کہیں پیچھے ہیں یہی وجہ ہے کہ ہر کوئی انکی ثقافت سے متاثر ہے، ان اقوام میں میں جدید علوم کی طرف رجحان بنسبت دوسری اقوام کے زیادہ ہے اور وجہ وہی ہے جو ہم ما قبل میں ذکر کر آئے ہیں، اسی طرح مسلمانوں میں بھی ہر قسم کی تمدنی و ثقافتی ترقی بام عروج پر تھی اسلیے انکا نئے علوم و فنون کی طرف متوجہ ہونا لازم تھا اور ابتدائی طور پر مسلمانوں ہی نے تمام علوم کو مختلف حدود کے ذریعے ایک دوسرے سے ممتاز کیا اور پھر ان علوم میں سے ہر ایک پر باقاعدہ تحقیقات کیں فلسفہ بھی ان میں سے ایک تھا جسے مسلمانوں نے قدامت کے کھنڈرات سے نکال کر جدت کی عالی شان بلند و بالا عمارت میں لا کھڑا کیا اور آج بھی ارسطو، افلاطون اور فلاسفہ یونان کو کوئی جانتا ہے اور انکے نظریات سے کوئی آگاہ ہے تو وہ قرن اولی کے مسلم مفکرین و حکماء ہی کی بدولت ہے ورنہ جو رویہ ان نظریات اور ان سے متعلقہ کتب کے

ساتھ اہل یونان وفرانس نے روا رکھا تھا یہ علوم قدامت کے کھنڈرات میں ہمیشہ کیلیے دفن ہو چکے ہوتے۔

نتائج البحث:

1. اس آرٹیکل میں ہم نے اسلام میں فلسفہ و مابعد الطبعیات کے نقطہ آغاز سے بحث کی ہے اور یہ بتلانے کی کوشش کی ہے کہ کس طرح مسلم مفکرین قرآن وسنت کی خدمت کے عظیم کام کے ساتھ بظاہر ایک غیر ضروری علم کی طرف متوجہ ہوئے اور کس طرح مابعد الطبعیات کا علم اور فلسفہ یونان مسلم مفکرین کے کندھوں پر سوار ہوا اور پھر جدت کی رداء اوڑھ کر دنیا کے سامنے جلوہ افروز ہوا۔
2. یہ ایک حقیقت ہے کہ مسلم مفکرین نے فلسفہ اور مابعد الطبعیات پر خوب طبع آزمائی فرمائی اور اس موضوع پر بے شمار تصانیف کی ہیں تاہم چونکہ اسلام ایک عملی دین ہے اور عقائد کے معاملہ میں بال کی کھال اتارنے کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا یہی وجہ ہے مسئلہ تقدیر پر اسلام نے اچھی اور بری تقدیر پر ایمان لانا ضروری قرار دیا اور بحث سے منع فرمایا، اسی طرح قرآن پاک میں کفار کے چاند کے بارے میں سوال کے جواب میں اسکا دائرہ کار اور فایدہ بتلا دیا گیا چاند کے احوال اور اسکی حقیقت و ماہیت کے بارے میں چنداں تعرض نہیں کیا گیا، اسلیے یہ سوال پیدا ہونا نا گزیر ہے کہ مسلم مفکرین اور امت کے عالی دماغ اس بحث میں کیونکر پڑ گئے اور انہوں نے اپنی توانائیاں اور متاع وقت اس کار غیر ضروری میں صرف کیوں کیں۔ اس آرٹیکل میں ہم نے اس سوال کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔
3. سب سے پہلے ہم نے ان علوم کے منبع اور مخرج کا ذکر کیا؛ کہ یہ اختراعات اولا کہاں واقع ہوئیں اور ان علوم کی جائے پیدائش کا ذکر کیا اور اس کے بعد یہ بتلایا ہے کہ ان اقوام نے ان علوم کے ساتھ کیا سلوک کیا پھر ہم نے اہل اسلام میں ان علوم کی پہلے پہل ابتلاء کی تعیین کی ہے اس کے بعد ان علوم میں دلچسپی کی وجہ اور پھر ان وجوہات پر بحث کی ہے جن کی بناء پر مسلم مفکرین کے ہاتھوں ان علوم کی ترویج واشاعت ہوئی۔
4. ترجمہ نگاری کی ابتداء عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور کے حکم سے حکمت یونان کی کتب کے ترجمہ سے ہوئی اور پھر ترجمہ نگاری نے اپنا دائرہ کار بڑھایا اور گویا نئے نئے علوم سے متعلق کتب کے تراجم فخر ومباحات کا ذریعہ بن گئے اور یوں بے شمار نادر کتب جنمیں بے شمار کتب فلسفہ یونان سے متعلق تھیں ترجمہ کی گئیں اور پھر اہل اسلام فلسفہ یونان اور نظریات ارسطو وافلاطون سے بہرہ ور ہوئے اور پھر فلسفہ نے نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کی توجہ حاصل کی بلکہ مسلمان مفکرین نے فلسفہ یونان اور ارسطو وغیرہ کے مجمل نظریات کو جہاں تک کسی کی آسانی سے رسائی ممکن نہ تھی انکی تشریحات کیں اور فلسفہ کو جدت کی رداء اوڑھا کر عوام کیلیے قابل فہم بنایا۔

سفارشات:

1. اس آرٹیکل کے تناظر میں ہمارے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم ان مسلم مفکرین کے کام کو آگے بڑھائیں اور علم فلسفہ و مابعد الطبعیات پر عصر حاضر کی روشنی میں سائنسی پیرائے میں آگے بڑھائیں۔
2. اس علم کو اس وقت دنیا کیلیے ایک نئی نوید کا ذریعہ بنائیں۔

3. ہر علم ہزار تحقیقات کے باوجود کئی اسرار اپنے اندر لیے ہوئے ہوتا ہے اور علم فلسفہ اس نہج میں زیادہ دقیق ہونے باعث اس بات کا حقدار ہے کہ تحقیق کے نئے طریقے اس پر آزمائے جائیں۔
4. یہ کہ جیسے قرون اولی کے مسلمان مفکرین نے بلاامتیاز ہر زبان وعلاقہ کے مزاج کو سمجھا اور وہاں کے علوم وفنون پر طبع آزمائی کی آج اسی جفاکشی کی ہمیں ضرورت ہے۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

حواشی وحوالہ جات

[1] ڈاکٹر سید عطاء الرحیم، فلسفہ واخلاقیات، کفایت اکیڈمی۔ سن اشاعت: 1952ء، ص:1

Dr. Sayyid, ʹAṭā al Raḥīm, Falsafah wa Akhlāqiyāt, (Nāshir: Kifāyat academy. 1952ac), P:1

[2] علامہ شبلی نعمانی، علم الکلام اور الکلام، جی ایف پرنٹنگ پریس۔ طباعت: 2003ء، ص:11

ʹAllāmah, Shiblī Nuʹmānī, ʹilm al Kalām awar Al Kalām, (Nāshir: GF Printing press, 2003ac), P:11

[3] ڈاکٹر میر ولی الدین، فلسفہ کیا ہے، شوکا پریس دہلی۔ طباعت: نومبر: 1951ء، ص:2

Dr. Mīr Walī al Dīn, Falsafah kyā hay, (Nāshir: Shūkā Press, 1951ac), P:2

[4] ڈاکٹر سید عطاء الرحیم، فلسفہ واخلاقیات، کفایت اکیڈمی۔ سن اشاعت: 1952ء، ص:9

Dr. Sayyid, ʹAṭā al Raḥīm, Falsafah wa Akhlāqiyāt, (Nāshir: Kifāyat academy. 1952ac), P:9

[5] ڈاکٹر میر ولی الدین، فلسفہ کیا ہے، شوکا پریس دہلی۔ طباعت: نومبر: 1951ء، ص:7

Dr. Mīr Walī al Dīn, Falsafah kyā hay, (Nāshir: Shūkā Press, 1951ac), P:7

[6] ایضاً۔ ص:12

Ibid, P:12

[7] علامہ شبلی نعمانی، علم الکلام اور الکلام، دوست ایسوسی ایٹس لاہور، سن اشاعت: 2003، ج:1، ص:12

ʹAllāmah, Shiblī Nuʹmānī, ʹilm al Kalām awar Al Kalām, (Nāshir: Dūst Associate Lahur, 2003ac), P:12

[8] البقرہ۔ الآیہ: 30

Al Baqrah, Al Āyah: 30

[9] تفسیر معارف القرآن، ج:1. تفسیر آیت:30

Tafsīr Maʹārif Al Qurān, Vol:1, Tafsīri Āyat: 30

[10] تفسیر ابن کثیر۔ ج:1، تفسیر البقرہ آیت:6

Tafsīr Ibn Kathīr, Vol:1, Tafīr al Baqarah, Āyat: 6

[11] ایضاً تفسیر آیت: وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ (اسراء: 85)

Ibid, Tafsīr Āyat: Asrā: 85

[12] البقرہ، الآیہ، 189

Al Baqarah Al Āyah: 189

[13] علم الکلام اور الکلام، ص: 21

'Ilm al Kalām awar Al Kalām, P:21